اسلام کی عالمگیری اور جامعیت

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

(گذشتہ سے پیوستہ)

عالمگیر دین کا چوتھا معیار — "قوتِ اصلاح" اصلاح ضبطِ نفس اور خود غرضی کے مٹانے کا نام ہے۔ جو مذہب اصولاً ان دو امروں کو پورا کرے وہ مذہب عالمگیر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تمام فسادات کی جڑ یہی دو امر ہیں۔ مسیحی مذہب کا یہ فلسفہ کہ جو آدمی حضرت مسیح کی الوہیت اور ان کے مصلوب ہونے پر ایمان لائے تو اس کا صرف یہی اعتقاد اس کے تمام اگلے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ ایسا فلسفہ ہے جس سے نہ صرف اصلاح عمل اور نیک کرداری کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ بلکہ نفس انسانی گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کفارے پر یقین کی وجہ سے بڑے سے بڑے گناہ کے ارتکاب میں وہ کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ آج کل بھی اگرچہ مسیحی دنیا پوری تعلیم یافتہ ہو چکی ہے۔ لیکن تمام دنیا کی خونریزیوں کی ذمہ داری ان ہی پر ہے۔ اور اقوام و ملل کی کل خانہ جنگیوں اور کشت و خون کا اصلی سبب ان ہی کی شر انگیز اور فساد خیز سیاست ہے۔

مسلمانوں کی عراق، مصر و شام پر ہزار سال سے زیادہ حکومت رہی۔ لیکن وہاں اب تک عیسائی موجود ہیں۔ مسلمانوں نے چھ سو سال اسپین پر حکومت کی۔ لیکن مسیحیوں کو جب اسپین پر غلبہ حاصل ہوا تو ایک مسلمان کو بھی وہاں زندہ نہ چھوڑا۔ بلکہ مسلمان کی قبروں تک کا بھی باقی رکھنا گوارا نہ کیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ضبط نفس کے لئے ان کو قانونِ مجازاۃ اعمال پر یقین نہیں تھا۔ بلکہ عقیدہ کفارہ نے ان کو ہر گناہ کے بد انجام سے بشرطیکہ سیاسی اور دنیوی مصلحت اس کے خلاف نہ ہو بالکل بے پروا کر دیا ——— اس کے برخلاف اسلام کا یہ پختہ تصور ہے کہ ہر مجرم یہ یقین

کرے کہ وہ جب بھی کوئی جرم کرتا ہے۔ کائنات عالم کا حاکم اعلیٰ اس کو دیکھتا رہتا ہے۔ اور اس کی حکومت کے غیر محسوس کارندے اس کے اعمال کو ریکارڈ کرتے رہتے ہیں۔ جو حاکم اعلیٰ کی بارگاہ میں وقت مقررہ پر پیش کئے جائیں گے۔ اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔ جس پر عدل الٰہی کے تحت مجرم کو سزا دی جائے گی۔ اور وہ سزا ایسی ہوگی جس کی دردناکی کے آگے پوری دنیا کی ساری سزائیں پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اسلام کی یہی قوت اصلاح تھی جس نے عرب جیسی جرائم پیشہ بے تعلیم قوم کو دس پندرہ سال کے مختصر عرصہ میں ایسا پاکیزہ با اخلاق، خدا ترس، عدل پرور قوم بنایا کہ بقول مستشرقین یورپ کے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آسمان سے فرشتے اتر کر زمین پر پھر رہے ہیں۔ اسلام کی اس قوت اصلاح اور حیرت انگیز موثریت کو غیر مسلموں تک نے اس دور فساد کا صحیح علاج بتایا ہے۔ اور درحقیقت عالمگیر دین بھی وہی ہو سکتا ہے۔ جو نوع انسانی کی اس عالمگیر اصلاحی ضرورت کو پورا کرتا ہو۔ اور تخریبی قوتوں کو کنٹرول کر سکتا ہو۔ اصولاً ایسا مذہب صرف اسلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا سے لائی ہوئی ہدایات ہیں۔

لارڈ برنارڈ شا مشہور ادیب انگلستان کو اقرار ہے کہ "اس دور حاضر کی اصلاح قطعاً ناممکن ہے۔ جب تک پیغمبر اسلامؐ جیسی شخصیت کو موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر نہ بنایا جائے۔"

مسٹر گارڈین لکھتے ہیں۔ کہ قدرت کی قوتوں پر فتح پانا نہیں۔ بلکہ انسان کے اندر جو شیطانی قوتیں ہیں۔ ان پر فتح پانا حقیقی کامیابی ہے۔

دینِ عالمگیر کی جانچ کا پانچواں معیار

حق جس نبی کو ملا ہو، جس زمانے میں ملا ہو۔ اس کو اصولاً تسلیم کرنا دین کے عالمگیر ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

غیر سماوی ادیان نے تو سرے سے نبوت کو تسلیم ہی نہیں کیا اور نہ صرف یہ کہ تمام مسلّم رسل و انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا انکار کیا۔ بلکہ اس کی جگہ خدا کو انسانی صورت میں متشکل کرنے کا من گھڑت مسئلہ ایجاد کیا۔ جس کو اوتار کہا جاتا ہے، مسیحی اور یہودی ادیان پر بھی جو کہ بنیادی طور پر سماوی دین تھے۔ اس ضمنی تصوّر کا اثر پڑا۔ چنانچہ انہوں نے بھی حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیرؑ کو خدائی شکل دے دی۔ یہود نے حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی نبوت و رسالت کا انکار کیا۔ اور عیسائیوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں گروہوں نے حق کو تقسیم کیا۔ اور صداقت کو اپنے گروہ کے ساتھ مختص کر دیا۔ اور اس لئے حق کا دائرہ بجائے عالمگیر ہونے کے محدود ہو کر رہ گیا۔ اس کے برخلاف قرآن حکیم نے حق و صداقت کی وحدت کا

اعلان کیا اور مسلمانوں کے لئے تمام انبیاء اور رسل خداوندی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا — چنانچہ فرمایا گیا۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کلّ اٰمن باللّٰہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ (الآیۃ) اس آیت میں تفریق بین الرسل یعنی بعض رسولوں کے ماننے اور بعض کا انکار کرنے کو منافی ایمان قرار دیا گیا ہے۔ جو اسلام کے عالمگیر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اور جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسلام ان تمام صداقتوں کا جو مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کے ذریعہ انسانوں کو دی گئی تھیں۔ ایک آخری اور جامع مجموعہ اور کل ہے جو کسی خاص زمانے اور ملک و نسل سے مختص نہیں بلکہ کل اقوامِ عالم کی ایک مشترکہ صداقت ہے۔

دینِ عالمگیر کا چھٹا معیار دین انسانوں کے لئے اللہ جل جلالہ کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات ہے۔ اللہ کا انسانوں کے ساتھ صرف ایک ہی تعلق ہے۔ اور وہ تعلق عبدیت ہے۔ اس رشتۂ عبدیت کے سوا خدا کا انسانوں کے ساتھ اور کوئی رشتہ نہیں۔ لہٰذا خدا کی بارگاہ میں جو فرق مراتب ہوگا۔ رشتہ عبدیت کی بنیاد پر ہوگا نہ قوم و نسل کی بنیاد پر۔

الٰہی دین میں یہود و نصاریٰ کی طرح نحن ابناء اللّٰہ واحباءہ اور ہندو مذہب کی برہمنیت کا کوئی نسلی تصوّر ممکن نہیں ورنہ وہ دین الٰہی اور دین عالمگیر نہ ہوگا۔ بلکہ نسلی برتری کو قائم رکھنے کے لئے ایک علاقائی اور نسلی نظریۂ حیات ہوگا۔ اسلام کے سوا اکثر ادیان میں یہی تصوّر پایا جاتا ہے۔

ہندوستان میں برہمن اور شودر کا فرق اور یورپ و امریکہ میں کالے گورے کا امتیاز اس نسلی تصوّر کا اثر ہے جو اس دورِ تعلیم و دعویٰ مساوات میں بھی اب تک ان مذاہب کے ماننے والوں میں عملاً موجود ہے۔ یہاں تک کہ ان کے کنوئیں اور مندر۔ اسی طرح سکول اور گرجے الگ الگ ہیں۔ جو سب اس امر کی دلیل ہیں۔ کہ ان مذاہب میں عالمگیر ہونے کی روح موجود نہیں بلکہ محدودیت اور نسلیت ہے۔ اس کے برخلاف اسلام نے اعلان کیا ہے کہ یٰایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثٰی وجعلناکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا اِنّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔ کہ نسل و قومیت محض شناخت کے لئے ہے۔ اور شرف انسانی کا مدار کمال عبدیت اور تقویٰ پر ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے اعلان فرمایا۔ لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا للاسود علی الاحمر ولا للاحمر علی الاسود الا بالعلم والتقویٰ۔ یعنی کسی عرب کو عجمی پر اور عجمی کو عرب پر، کالے کو گورے پر اور گورے کالے پر برتری نہیں بجز علم و تقویٰ کے :

نے افغانیم نے ترک و تتاریم   چمن زادیم از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است   کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

دینِ عالمگیر کا ساتواں معیار

شانِ جامعیت ۔ انسانی امراض کی بے شمار قسمیں ہیں۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں امراض لاحق ہوتے ہیں۔ لہذا دین عالمگیر وہی ہوگا جس میں تمام امراض انسانی کا علاج موجود ہو۔ اور اعتقادی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی عباداتی اور سیاسی، بین الاقوامی تمام شعبہ ہائے حیات انسانی کے لئے اس دین میں کامل ہدایات موجود ہوں۔ تاکہ زندگی کا ہر شعبہ تمام امراض و خامیوں سے پاک ہوکر صحیح توانائی کا حامل ہو سکے ——— اور فرد جماعت کی زندگی حقیقی و اصلی مسرتوں سے ہم آغوش ہو سکے۔ نہ یہ کہ اس میں صرف چند مختصر مذہبی رسومات ہوں۔ یہی وہ شانِ جامعیت ہے جو فطرتِ انسانی کی طرح ہمہ گیر ہے۔ اور جس سے دین عالمگیر کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس معیار پہ عالمگیر دین صرف اسلام ہے جس میں زندگی کے تمام شعبوں کے لئے مکمل حکیمانہ قوانین موجود ہیں اور وہ فطرتِ انسانی پہ ایسے فِٹ ہیں کہ دشمنانِ اسلام نے بھی آج تک چودہ سو سال گذر جانے کے باوجود کوئی نقص ان میں نہیں نکالا۔ بلکہ غیر مسلم اقوام انسان کے فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر اسلامی قوانین کو برابر اپنائے چلی جا رہی ہیں۔

جیسے کہ تحریم شراب اور ضرورت طلاق وغیرہ ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد انگلستان میں تکثیر جرائم کو دیکھ کر وہاں کے ماہرین نے اس کا حل سزا تازیانہ ہی کو قرار دیا۔ اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا گیا۔ جس سے جرائم بند ہوئے۔ طلاق کے مسئلہ پہ یورپ اور امریکہ نے عمل کیا۔ اور شراب کی مضرتوں کی تحقیق کے بعد بندش شراب کی تحریک امریکہ میں چلائی گئی۔ اگرچہ تمام ذرائع کے استعمال کرنے کے باوجود اس تحریک میں وہ اس لئے کامیاب نہ ہو سکے کہ دینی گرفت سے جن طبائع کو ایک بار آزاد کر کے ان کو خالص حیوانی راہ پہ ڈال دیا جائے، اور ایک لمبی مدّت تک وہ اس راہ پہ چلنے کے خوگر ہو جائیں۔ تو ایسے طبائع کو دینی اور روحانی قوت کے بغیر محض قانونی قوت سے راہ پہ لانا دشوار ہے۔

آٹھواں معیار ۔ "معقولیت"

فطرتِ انسانی کا امتیازی وصف عقل ہے۔ جس کے ذریعہ سے انسان صحیح اور غلط میں فرق کرتا ہے۔ اور حق کو باطل سے ممتاز کرتا ہے۔ عقل فطرتِ انسانی کی طرح عالمگیر ہے۔ اس لئے خالق فطرت انسانی نے انسان کے لئے جو دین عالمگیر متعین کیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اس دین کے اصول معقول اور موافق عقلِ انسانی ہوں تاکہ انسان اس کو قبول کر سکے۔ لیکن اسلام کے سوا جس قدر مذاہب و ادیان ہیں ان میں یا تو عاجز اور مخلوق انسان کو خدا بنا دیا گیا ہے۔ یا خدائی میں ان کو شریک کر دیا گیا ہے۔ بدھ مذہب

میں مہاتما بدھ ، اور ہندو مذہب میں برہما ، وشنو اور مہادیو کا بھی تصور ہے۔ بلکہ ان کے سوا لاکھوں اور کروڑوں دیوتاؤں کو بھی خدائی درجہ پر فائز کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس ان ہستیوں کو خدا کے اس عظیم منصب پر فائز کرنے کا نہ صرف یہ کہ کوئی عقلی ثبوت نہیں بلکہ ان کے خلاف عقلی دلائل موجود ہیں۔ تقریباً یہی یہودیت اور مسیحیت میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ یہودیت نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں اور مسیحیت نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہی تصور پیش کیا ہے۔ یہودیت میں خدائی اس قدر دور از عقل ہے۔ کہ ادنےٰ سمجھ بوجھ کا انسان بھی اس کے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مثلاً یہ کہ یعقوب سے صبح صادق تک تمام رات خدا کشتی لڑتا رہا اور صبح کو جب جانا چاہا تو یعقوب نے بغیر برکت لئے جانے نہ دیا۔ (تورات پیدائش باب ۳۲ - آیت ۲۴) یا مثلاً یہ کہ خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا۔ اور نہایت دلگیر ہوا۔ (تورات پیدائش۔ درس ۵ - ۶)

کیا خدا کے متعلق یہ تصور کوئی معقول تصور ہو سکتا ہے۔ یا عقل کبھی اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ مسیحی الٰہیات کا یہ تصور کہ حضرت مسیح خدا بھی تھے۔ اور پھر بھی یہودیوں کے ہاتھوں سولی پر چڑھائے گئے۔ اور " ایلی ایلی لما سبقتنی " کہہ کر زار و قطار روتے رہے۔ دو متضاد باتوں کا ایک نامعقول مجموعہ ہے۔ اس طرح حضرت مسیح کو خوراک اور کھانے پینے اور دیگر ضروریاتِ زندگی کا محتاج مان کر پھر بھی ان کو خدا تسلیم کرنا انتہائی نامعقول بات ہے۔ اس کے علاوہ باپ بیٹا ، روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان کر یہ کہہ دینا کہ تین ایک ہے۔ اور ایک تین ہے۔ حالانکہ مسیحی دو ایک یا چار کا ایک ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ یہ فیاضی انہوں نے صرف تین کے عدد کے لئے مختص کر دی ہے۔ کہ وہ تین بھی ہے اور ایک بھی ہے۔ اور جب ان سے اس کی حقیقت پوچھی جاتی ہے۔ تو وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ مسئلہ عقل سے بالاتر ہے۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ عقل سے بالاتر ہونے کی بجائے عقل کے خلاف ہے۔ پھر تین خداؤں کا تثلیثی تصور اگر ایسا ہے کہ جس میں ہر ایک کی شخصیت محفوظ ہو تو تین کے تین رہے۔ اس کو واحد کہنا غلط ہے۔ اور اگر تینوں شخصیتیں ختم ہو کر ایک وحدت میں منتقل ہوئیں تو وحدت رہی تثلیث نہ رہی۔ بہر حال خدائی حقیقت کو بیک وقت ایک اور تین کہہ دینا خلافِ عقل ہے۔ اور پھر نظام عالم چلانے کیلئے ان تینوں میں سے اگر ایک کافی ہے تو باقی دو فضول رہے۔ اور اگر ایک کافی نہیں جب تک تینوں نہ مل جائیں تو ہر ایک کے لئے جداگانہ خدائی کا تصور غلط ہے۔ بہر حال مسیحی تثلیث قطعاً

خلاف عقل ہے۔ اور جس مذہب کا بنیادی عقیدہ عقل انسانی کے خلاف ہو وہ کیونکہ عالمگیر مذہب ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نظام عالم کی وحدت و یکسانیت صاف ظاہر کر رہی ہے۔ کہ صرف ایک ہی قوت قاہرہ اس نظام کو چلا رہی ہے۔

نواں معیار — ربط دنیا و آخرت

انسان کو دنیا میں کچھ مدت رہ کر آخرت کی طرف جانا ہے۔ دنیا کی محدود زندگی اس کی شرافت و کرامت کے ظہور کیلئے کافی نہیں ورنہ اس کی شرافت خاک میں مل جائے گی۔ اور حیوان مطلق پر اس کو فوقیت حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ حیوان مطلق زیادہ کامیاب نظر آئے گا۔ کیونکہ وہ ایسی زندگی گزار رہا ہے۔ کہ اس میں نہ غم ماضی ہے۔ اور نہ فکر فردا۔ لیکن انسان قوت شعور کی وجہ سے دن رات گذشتہ احوال اور مستقبل کے خطرات میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ انسان کے لئے ایسا مقام حیٰوۃ ہو جو سراپا مسرت ہو۔ اور جس میں غم کا نام و نشان نہ ہو۔ اور خطرات سے پاک ہو۔ نہ خطرہ مرض ہو اور نہ اندیشۂ مرگ تاکہ اس مقام پر پہنچ کر انسان کی فوق العالم شرافت و کرامت کا ظہور ہو اور وہی مقام آخرت ہے۔ جو انسانی حیات کی آخری منزل ہے۔ اور دنیاوی منزل اس آخروی حیات کے اکتساب اور تحصیل کا ایک ذریعہ ہے۔ انسانی فطرت میں انجام بینی کا جذبہ اس اخروی تصور کا آئینہ دار ہے۔

دنیا میں انسان کا ٹھکانا زمین ہے۔ اور آخرت میں اس کا مقام عالم بالا ہے۔ چونکہ بدن انسانی ارضی ہے۔ اور روح انسانی سماوی۔ لہذا انسان کا ابتدائی مقام سفلی اور آخری مقام علوی ہونا ضروری ہوا۔

اس حقیقت کے پیش نظر صحیح فطری اور عالمگیر دین وہ ہوگا۔ جس میں نہ ترک دنیا کی تعلیم ہو اور نہ ترک آخرت کی۔ بلکہ اس میں دونوں کا حسین امتزاج ہو۔

تاریخ ادیان اور تعلیمات مذاہب سے یہ حقیقت نمایاں ہے۔ کہ موجودہ مسیحی دین میں دین اور دنیا کے تضاد کا تصور موجود ہے۔ اور اس میں اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے نکل جانا ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن دنیا دار اور امیروں کا دیندار ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے صحیح مسیحی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام تعلقات دنیا کو ترک کیا جائے اور نکاح و اولاد اور ذرائع رزق کے تمام دھندوں سے الگ ہو کر سخت سے سخت ریاضتوں کی تکلیفات کو جھیل کر خدا کو پانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ گویا مسیحی ہونے کے لئے دنیا سے الگ ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ تھی کہ چونکہ ایسا مذہب دنیا کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا۔ اس لئے یورپ کے مسیحیوں نے دین اور دنیا کی تفریق کی راہ اختیار کی۔ اور مسیحیت کو صرف دین کی راہنمائی کے لئے مختص کر دیا اور دنیا کی راہنمائی

کے لئے عقل کی ایجاد کردہ راہ پر چلے۔ درحقیقت خدا کی طرف سے بذریعہ انبیاء علیہم السلام جتنے جتنے ادیان آئے وہ دین و دنیا کے جامع تھے۔ اور ان میں قطعاً دین و دنیا کی جدائی کی تعلیم نہ تھی۔ اور نہ ہی دین و دنیا کو ایک دوسرے کا مخالف اور ضد بتلایا گیا ہے۔ لیکن چونکہ اسلام کے سوا کوئی سماوی دین اصلی شکل میں محفوظ نہیں رہا۔ بلکہ انسانی تحریف و تبدیل کا شکار ہو گیا۔ اور دیدہ دانستہ قصداً اس کو ایسی شکل دے دی گئی جو دنیا میں پنپنے کے قابل نہ ہو تاکہ آسانی کے ساتھ اس کو انسان کی دنیوی زندگی سے خارج کیا جا سکے۔ اب ظاہر ہے۔ کہ موجودہ شکل میں مسیحی دین دنیوی زندگی کے لئے قابل عمل نہیں رہا۔ چہ جائیکہ وہ دین عالمگیر ہونے کا حقدار ہو سکے۔ اس کے برخلاف اسلام نے صاف اعلان کیا کہ وہ دین و دنیا کا جامع ہے۔ اور انسانی فطرت کے مطابق اس کا مقصد دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی ہے۔ قرآن مجید ہے، "وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین" تم کو دنیا و آخرت دونوں کی سربلندی اور کامیابی نصیب ہوگی بشرطیکہ تم مومن کامل ہو۔ قرآن میں ایک دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة" الآیۃ جس میں دنیا و آخرت دونوں کے فوائد کی تحصیل کی دعا سکھائی گئی ہے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ کہ دنیا کی تحصیل میں ایسی کوشش کرو کہ گویا تمہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور آخرت کے لئے ایسی کوشش کرو کہ گویا تم کو کل ہی دنیا سے آخرت کی طرف جانا ہے۔

بیہقی کی حدیث ہے۔ کہ اسلامی عبادات کے بعد سب سے بڑا فرض مسلمان کے لئے رزق حلال کا کمانا ہے۔ ترقی دنیا کی انتہائی شکل حکومت ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ ایمان اور عمل صالح پر قائم رہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو مضبوط حکومت عطا فرمائے گا۔

وَعَدَ اللهُ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض۔ الآیۃ

دنیوی ترقی اور حکومت کا مدار فوجی قوت اور آلات حرب پر ہے۔ اور اسلام نے اس کو فرض قرار دیا۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل۔ الآیۃ دنیوی ترقی کا مدار اتحاد پر ہے۔ اسلام نے اس کو بھی فرض قرار دیا۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً۔ دنیوی برتری کا سب سے بڑا ذریعہ جہاد ہے۔ اسلام نے اس کو بھی فرض ٹھہرایا۔ وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ۔

اسلام کی چار عبادات میں سے دو عبادتیں یعنی زکوٰۃ و حج صرف اغنیا اور مالدار مسلمانوں سے متعلق ہیں جس سے اس مقصد کا اظہار مقصود ہے۔ کہ تم مال کما کر ان دونوں عبادات کو بجا لاؤ۔ خود مال کو قرآن نے خیر اور فضل اللہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ "ان ترک خیراً الوصیة" "وابتغوا

من فضل اللہ " بہرحال اسلام میں دنیاوی حیات کے ہر گوشے کے متعلق مکمل احکام موجود ہیں۔ اور اس حکیمانہ انداز کے ساتھ موجود ہیں کہ دورِ حاضر کے عقلاء دنگ رہ جاتے ہیں۔ اس لئے دنیا میں انسانوں کیلئے اگر کوئی عالمگیر دین ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔

دینِ عالمگیر کا دسواں معیار — "دوامِ دین و محفوظیت"

جو دین کہ اس کا بقاء دوامی نہ ہو۔ اور نہ اصلی شکل میں محفوظ ہو۔ وہ عالمگیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو دین ایک خاص وقت تک باقی رہے۔ اور پھر اپنا وجود کھو دے وہ دین عالمگیر کیونکر ہو گا۔ اب چونکہ اسلام ہر دور میں باقی ہے۔ اس لئے عالمگیر دین بھی ہر دور میں باقی اور محفوظ ہونا چاہیئے۔

مسیحی دین کا مدار انجیل پر ہے۔ جو محفوظ نہیں نہ سینوں میں نہ کاغذات میں۔ انجیل کے حفاظ نہ پہلے موجود تھے اور نہ اب موجود ہیں۔ حفاظت کا بنیادی ذریعہ درحقیقت یہی تھا جو بغیر قرآن حکیم کے کسی آسمانی کتاب کو نصیب نہ ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس زبان میں انجیل نازل ہوئی تھی یعنی "عبرانی" اس زبان کا کوئی اصلی نسخہ روئے زمین پر موجود نہیں۔ اور جو عبرانی نسخہ ہے۔ وہ یونانی نسخہ کا ترجمہ ہے۔ اس بناء پر اصلی کتاب گم ہے۔ اور عبرانی زبان بھی زندہ زبان نہیں رہی۔ اب جو بعد کی بنائی ہوئی انجیل ہیں۔ وہ چار ہیں۔ اور اصل انجیل ایک تھی۔ لیکن ان کی تحریف کا بھی یہ حال ہے۔ کہ حقانی نے بحوالہ مسٹر "مل" نقل کیا ہے۔ کہ عہد جدید کے نسخے مقابلہ کئے تو تیس ہزار اختلاف پائے گئے۔ ڈاکٹر "گرلیاخ" نے اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا۔ یعنی تین سو پچیس نسخوں کا تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف ملے۔ پادری فنڈر، اختتام مباحثہ دینی، مطبوعہ اکبر آباد میں لکھتے ہیں کہ "کتاب کی غلطیاں بہت ہیں۔ اور ہر حال میں تمام یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح کون ہے"۔

ہارن صاحب اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں لکھتے ہیں۔ "بلاشک بعض خرابیاں (تحریفات) جان بوجھ کر بعض لوگوں نے کی ہیں۔ جو دیندار مشہور تھے۔ اور اس کے بعد انہیں تحریفات کو ترجیح دی جاتی تھی۔ تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے اوپر نہ آنے دیں"۔

"انجیل متی" کا باب اول و دوم ڈاکٹر ولیمن وغیرہ کے نزدیک الحاقی ہے۔

"مرقس" کی انجیل کے اصل نسخہ کا کوئی پتہ نہیں۔ البتہ یونانی ترجمہ ہے۔

"انجیل لوقا" لوقا معلوم نہیں کہ کون تھا۔ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں۔ اس کی اصلی زبان کا بھی پتہ نہیں کہ کس زبان میں لکھی گئی تھی۔

عیسائی محققین کی رائے ہے کہ "انجیل یوحنا" مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف

(باقی صفحہ ۵۳ پر)